Fikr-o-Nasar (Islamabad) 2:5-6 (1964) © rasailojaraid.com

قرونِ اولیٰ کے تشکیلی دور کے بعد کا اسلام

نظر باز گشت

ڈاکٹر فضل الرحمن

ہم نے اس مقالے کی پچھلی قسطوں میں اسلامی منہاجیات (Methodology) کی ابتدا اور ارتقا کے بنیادی مراحل کا خاکہ پیش کیا ہے - یعنی بہ الفاظ دیگر ہم نے ان اصولوں کی نشاندھی کردی ہے جن کے سانچے میں اسلامی فکر ڈھلتا رہا ہے - ان میں اصل الاصول تو بدیہی طور پر قرآن ہے - اس کے علاوہ اصول یہ ہیں :-

سنت ، اجتہاد اور اجماع -

ہم یہ تفصیل سے بیان کرچکے ہیں کہ قرون اولیٰ میں اجتہاد اوراجماع کے تصورات نہ صرف باہمدگر بلکہ تصور سنت کے ساتھ بھی مربوط تھے- اور وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلعم کی سنت سے شروع ہوکر اس سنت نبوی کی تعبیر و توسیع کا حرکت پذیر اجتہادی عمل بھی سنت ہی کے تصور میں شامل ہوگیا تھا - اور اسے اجماع کی سند مل گئی تھی - لیکن جب اس زندہ و جاری سنت کو حدیث کی شکل میں ڈھالا جانے لگا اور اسکی راست نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جانے لگی تو اجتہاد کا یہ عمل سست رفتار ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے آخرکار یکسر رک گیا۔ اس سلسلے میں فیصلہ کن عوامل وہ اختلافات رہے ہیں جو مسلمانوں میں فقہی، اخلاقی اور سیاسی امور کے بارے میں پیدا ہوگئے تھے۔ یہ عمل شاید پہلی صدی ہجری کے اواخر ہی سے شروع ہوگیا تھا لیکن اس نے دوسری صدی ہجری میں پوری شدت کے ساتھ قوت پکڑی اور تیسری صدی میں تو اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ اس تحریک کی قوت میں ایسی شدت تھی کہ فقہ کے وہ قدیم مذاہب جو فکر آزاد پر مبنی تھے انھیں بھی امام شافعی کا یہ نظریہ ماننا پڑا کہ مشہور و متواتر احادیث ہی نہیں بلکہ حدیث احاد کو بھی جس کی روایت صرف ایک سلسلۂ اسناد سے ہو، نہ صرف عقلی دلائل پر مبنی شخصی رائے ہی پر بلکہ تعامل یعنی اجماع پر بھی ترجیح قطعی حاصل ہے اور ان کے مقابلے میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام شافعی سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے حدیث کے قابل استناد ہونے کا معیار اس معیار کی نسبت کیوں کم کردیا جو عدالتوں میں کسی شہادت کو تسلیم کرنے کے لئے مقرر ہے، یعنی عدالتوں میں تو کم سے کم دو گواہوں کی شہادت کسی واقعہ یا خبر کی صحت کی تصدیق کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے لیکن حدیث کی صحت کو تسلیم کرلے کے لئے آپ صرف شخص واحد کی شہادت قبول کرنے کو تیار ہیں۔

امام شافعی نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ عدالتی مقدمات میں تو عین ممکن ہے کہ گواہ کسی نہ کسی فریق کے جانبدار ہوں اور یہ تو بہرحال ہوتا ہے کہ ان کی گواہی کسی ایک فریق کے حق میں ہوتی ہے اور دوسرے کے خلاف جاتی ہے اور یوں ایک فریق اس سے بطور احسن متاثر ہوتا ہے اور دوسرا اس کے برعکس۔ اس کے برخلاف حدیث نبوی کے معاملے میں کسی کی ذاتی غرض سے وابستہ جانبداری کا امکان موجود نہیں اور اس سے تمام امت یکساں طور پر متاثر ہوتی ہے (۱)۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب قطعاً غیر تشفی بخش

---

۱ - ملاحظہ ہو امام شافعی کا الرسالۃ 'شائع کردہ محمد شاکر محمد' قاہرہ' ۱۳۰۹ھ' ص ۳۷۲ و مابعد' بالخصوص ۳۹۱ تا ۳۹۳' جہاں امام شافعی قطعیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''میں حدیث کے معاملے میں ایک فرد واحد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں تک کہ صرف ایک عورت کی روایت کو قبول کر لیتا ہوں، حالانکہ میرے نزدیک عدالت میں بطور شہادت ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی قابل قبول نہیں - نیز، حدیث کے سلسلے میں میرے لئے وہ روایت بھی قابل قبول ہے جس کے راوی نے روایت کرتے ہوئے صرف یہ کہا ہو کہ ''فلاں نے مجھ سے یہ کہا کہ........'' بشرطیکہ وہ راوی واضع حدیث نہ ہو، لیکن عدالتی شہادت کے لئے میرے نزدیک صرف وہی روایت قبول کی جاسکتی ہے جس کی روایت کرتے ہوئے راوی نے یہ کہا ہو کہ میں نے یوں سنا ہے کہ......'' ساتھ ہی ساتھ اسی صفحے پر امام شافعی یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض صورتوں میں ان لوگوں کی روایت رد کردیتا ہوں جن کی شہادت عدالت میں میرے لئے قابل قبول ہوگی - کیونکہ روایت حدیث سے مضمون حدیث میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہوسکتی ہیں اور مفہوم کے لئے صحیح الفاظ کا استعمال ضروری ہے -

امام شافعی نے اختلاف الحدیث میں یہ عجیب و غریب دلیل پیش کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں صحابہ فرد و احد کی روایت کو تسلیم کرلیتے تھے تو ان کی وفات کے بعد خبر احاد کو قبول کرنا اور ضروری ہوجاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو اختلاف الحدیث بر حاشیہ کتاب الام (مصر) ج ۷ ص ۱۲ وما بعد امام شافعی کے کہنے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو یہ ممکن تھا کہ خبر و احد کو رد کردیا جاتا اور براہ راست ذات رسالت مآب کی طرف رجوع کر کے معاملے کی حقیقت معلوم کرلی جاتی لیکن ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد تو یہ ممکن نہیں رہا - لیکن ظاہر ہے کہ یہی دلیل بالعکس بھی دی جاسکتی ہے اور اس میں کہیں زیادہ قوت ہوگی - کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب ایسا ذریعہ باقی نہ رہا کہ اگر یہ خبر واحد جھوٹی ہو تو اس کی تردید کرالی جائے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کیونکہ یہ امر واقعی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ لوگوں نے اپنی ذاتی رائے (اور اکثر صورتوں میں سیاسی غرض) کو درجہ استناد بخشنے کے لئے جہاں تک ان کا بس چلا اسے ذات نبوی سے انتساب کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال امام شافعی کے اس جواب سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی یہ تحریک کس قدر قوت پکڑ گئی تھی۔

جب سیاسی، اخلاقی اور فقہی مسائل کے بارے میں تمام ممکنہ نظریات رسول اللہ صلعم کی جانب منسوب کئے جاچکے تو ملت اسلامیہ کے دوائر کے اندر خیالات و نظریات کی باہمی آویزش و جنگ کا سلسلہ چھڑ گیا جو بالاخر اہل الحدیث کی کوششوں سے اختتام کو پہونچا۔ جنھوں نے ساری کی ساری تیسری صدی ہجری ان احادیث کے جمع کرنے میں صرف کردی جو امت کے سواد اعظم کی آراء اور افکار کی من حیث المجموع ترجمان تھیں اور اس حیثیت سے بطور کل وہ تعلیمات نبوی کی روح کی مظہر قرار دی جاسکتی ہیں۔ راہ توسط اختیار کرنے والے سواد اعظم یعنی اہل السنت و الجماعت کے یہی آراء و افکار ہیں (جن میں دائیں یا بائیں طرف یعنی سختی یا نرمی کی طرف جھکاؤ کی تھوڑی گنجائش موجود تھی) جو اہل الحدیث کی کوشش کی بدولت مسلمہ نقطۂ نظر قرار دئے گئے اور آگے چل کر چوتھی صدی ہجری میں اشعری اور ماتریدی کے ہاتھوں یہی آراء و افکار فرقہ ناجیہ یا راسخ العقیدہ گروہ کے عقائد و کلام کی تشکیل کا سامان بنے۔ یہ سارا ارتقا جو اپنی داخلی ہیئت کی باہم پیوستگی کے لحاظ سے معرکۃ الارا تھا، اتنے بڑے پیمانے پر احساس توازن پیدا کرنے پر منتج ہوا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں شاید ہی ملے۔ ہماری اسلامی تہذیب میں جو یکایک برومندی پیدا ہوئی وہ اسی کا ثمر تھی۔

لیکن جس بنیاد پر یہ توازن استوار کیا گیا تھا اس میں مزید ارتقا کی گنجائش باقی نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہر معاشرے میں قدامت پسند عنصر کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ معاشرتی تغیر اور نشو و نما صرف اسی صورت میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے جب کہ کوئی ایسی قوت ماسکہ موجود ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو تغیر میں تسلسل کی ضامن ہو لیکن جس طرح کوئی معاشرہ محض تغیر پر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح محض قدامت پسندی کے بل پر بھی قائم نہیں رہ سکتا - لیکن ہوا یہ کہ اسلامی منہاجیات کی بنیادی تعمیر اسی طرح پر ہوئی، یعنی بالفاظ دیگر فکر کے جو اصول اور طریقے اسلامی تہذیب نے پیدا کئے اس کی بنیادی ساخت اس طرز پر اٹھی کہ اس میں صرف قدامت پسندی ہی پنپ سکتی تھی - مسلمانوں کا نظام فکر، جس کے مشمولات کو حدیث کی تائید حاصل ہوگئی تھی ایسی ابدی صداقت کا حامل قرار دے دیا گیا تھا جس میں تغیر و ترمیم کی کوئی گنجائش نہ تھی - حالانکہ جیسا کہ ہم واضح کر آئے ہیں یہ مشمولات خود تاریخ کی پیداوار تھے اور ان کی معنویت کا دارو مدار ان کے اپنے تاریخی اور واقعاتی پس منظر پر ہے -

جن مخصوص حالات میں یہ افکار وجود پذیر ہوئے ان کے سیاق و سباق سے الگ کرکے ان کو دیکھنے اور ان کو ابدی صداقت تصور کرلینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی مسدود ہوگئی جیسا کہ ہم پچھلے مقالوں میں واضح کرچکے ہیں- سیاسی یا اخلاقی اصول ہو یا روحانی یا ذہنی اقدار یا ذہنی تگ و دو ہو، یا تعلیمی سرگرمیاں، یہ افکار ان سب کی ترقی کی راہ کے سنگ گراں بن گئے اور ایسا ہونا ناگزیر تھا- جب مسلمہ عقائد کے علمبرداروں نے اپنے آپ کو اس نظام فکر کے ''حصار عافیت'' میں مقید کرلیا تو غیر صحتمند اور غیر اسلامی عناصر کو کھلی آزادی مل گئی کہ وہ اسلامی دنیا کے اذہان و اجسام پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک تسلط جمالیں- غرض جسے حصار سمجھا تھا وہ حراست خانہ نکلا-

اٹھارویں صدی عیسوی سے مسلم معاشرے پر اپنی ناکامی و زوال کا احساس شدت کے ساتھ طاری ہے جو بعض اوقات بحرانی کیفیت اختیار کرتا نظر آتا ہے- اس صدی میں اسلامی دنیا کے مختلف گوشوں سے معاشرے کی اصلاح و احیا کی مختلف تحریکات اٹھتی رہیں - یہ سلسلہ انیسویں صدی میں بھی جاری رہا- ان اصلاحی تحریکات کے قائدوں نے مرض کی تشخیص کے سلسلے میں جو بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام امراض کی جڑ ان کا ''خالص'' اسلام سے دور جا پڑنا ہے ان کے نزدیک چونکہ سلف صالحین کے اسلام کے چشمۂ صافی میں عقیدہ اور عمل دونوں کی راہ سے خارجی عناصر کی آلودگی شامل ہوتی رہی ہے اس لئے مسلمانوں کو یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ جہاں تک اسلام کو قرون وسطی کے مفلوج کردینے والے اثرات سے آزاد کرنے کا تعلق ہے' ان مصلحوں کی یہ مساعی یقیناً مشکور ثابت ہوئی ہیں اور انہوں نے تخلیقی عوامل کو بیدار کرنے میں نیک خدمات سر انجام دی ہیں۔ اس سلسلے میں کم از کم نظریے کی حد تک اجتہاد کی اصطلاح نے ایک بار پھر بڑی اہمیت اختیار کرلی ہے۔ ان تحریکات کو' خاص کر جزیرۃالعرب سے اٹھی ہوئی محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کو' قرون وسطی والی قدامت پسند قوتوں کے ہاتھوں تلخ و تند مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور اگرچہ اب یہ ساری تحریکات مسلمہ عقائد والے گروہ میں بخوبی جگہ بنا چکی ہیں تاہم ان مخالفتوں کی صدائے باز گشت اب بھی سننے میں آتی رہتی ہے۔ اورسچ تو یہ ہے کہ ان توہمات اور بدعات کا' جن کے خلاف یہ تحریکیں نبرد آزما تھیں' اب تک مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے پر تسلط ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ جہاں یہ تحریکیں کامیاب ہوئی ہیں وہاں بھی یہ مسلمانوں کے مرض ادبار کا درمان نہ بن سکیں۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس کے اثرات مسلمانوں کے مسائل کے صحیح حل کے لئے راستہ ہموار کرنے میں بڑی حد تک مفید ثابت ہوئے ہیں۔

ان تحریکات کی عمومی ناکامی کا سبب یہ ہے کہ '' خالص اسلام '' یعنی قرآن اور سنت نبوی کے بارے میں اس کے تصورات بڑے سادہ، محدود اور جامد واقع ہوئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے اسلاف کی '' پیروی '' کریں یعنی ساتویں صدی عیسوی میں رہنے والے سلف کے چلن کا اعادہ کریں اور اس کا عین مین چربہ اتاریں تو یہ جہاں کیا چیز ہے '' لوح و قلم '' ان کے ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ دونوں میں ان کا بیڑا پار ہے۔ لیکن سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تاریخ کے عمل کو ہوبہو دہرانا ممکن کیونکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو ؟ ہمارے خیال میں مندرجہ بالا مسلمہ پر عمل کی صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ مسلمان اس بیسویں صدی میں وہ کام سرانجام دیں جس کی اخلاقی اور روحانی رفعت و عظمت ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے مسلمانوں کے کارناموں سے لگا کھاتی ہو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن و سنت پر جس طرح ماضی میں عمل ہوا اس کی طرف ہم زقند لگا کر لوٹ جائیں بلکہ یہ ہے کہ ہم ماضی کے اس عمل کا وہ فہم اور وہ بصیرت رکھتے ہوں جو ہمارے آج کے مسائل میں رہنما بنے ۔ ماضی کی طرف سادہ رجعت کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم قبرستانوں کا رخ کرلیں لیکن اس کے برخلاف اگر ہم اسلاف کے اسوہ کو آج کے لئے رہنما بنائیں تو ہمیں یہ نظر آئیگا کہ انہوں نے قرآن و سنت کی زندہ و متحرک بصیرت کے عمل ہی سے اپنی زندگیاں سنواری تھیں ۔

انیسویں صدی عیسوی سے عالم اسلام نے مغرب کا پہلے سیاسی اور پھر ثقافتی اثر محسوس کیا ہے ۔ مغرب کا سیاسی دباؤ تو بیشتر ختم ہوچکا ہے اور کہیں اب ختم ہورہا ہے گرچہ اب معاشی تسلط کے ذریعہ سیاسی مقصد برآری کی نئی چال کے ذریعہ یہ چور دروازے سے پھر آرہا ہے۔ لیکن مسلم معاشرے کا اصل مسئلہ اس وقت یہ ہے کہ مغرب کے خارجی اثرات سے قطع نظر تعلیم، صنعت و حرفت، ذرائع حمل و نقل وغیرہ کے لئے اداروں، نئے طور طریقوں کی بدولت خود اس کے اپنے رگ و پے میں جو تبدیلیاں اندر سے آرہی ہیں ان کو کس طرح سمویا جائے کس طرح رچایا جائے، کس طرح نکھارا جائے، کیا لیا جائے، کیا رد کیا جائے، کس میں کیا تراش خراش کی جائے ، ان میں سے کونسی قوتیں خالصۃً خیر کی قوتیں ہیں ، کونسی بری مگر ناگزیر برائیاں ہیں اور کونسی سراسر مضر ہیں ۔ ان کا فیصلہ اور رد و قبول — یہ ہے آج کے مسئلہ کی جان ۔ ان نئی قوتوں کی اپنی ہی الگ اخلاقیات ہے ۔ یہاں محض ماضی کی طرف زقند لگانے کے " سادہ و سہل "عمل سے کام نہیں چلے گا ۔

مسئلہ کا یہ حل ہرگز نہیں۔ ہاں، اگر ہم اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنا چاہیں تو اس کی بات اور ہے ۔ صورت حال سے نبرد آزما ہونے کی تدبیر یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ قرآن و سنت کی طرف سادہ رجعت نہیں بلکہ رجوع کیا جائے تاکہ اس سے وہ بصیرت اور رہنمائی حاصل ہو جن کی روشنی میں ہم اپنے نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈ سکیں - یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ خود قرآن اور اسوۂ نبوی نے معاشرے کی تعمیر کی صرف رہنمائی ہی نہیں کی بلکہ عملاً ایک معاشرے کی دیواریں اٹھائی ہیں - اسی وجہ سے قرآن کی آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہمیں صرف عمومی اصول ہی نہیں ملتے بلکہ معاشرتی حالات و کوائف سے نمٹنے کے عین عملی نمونے بھی ملتے ہیں جن میں ہمارے لئے جہان معنی پوشیدہ ہے - لیکن اس جہان میں واپس جا کر پوشیدہ ہوجانے اور ان حالات و کوائف کو دوبارہ زندہ کرنے سے کام نہیں بنے گا - دنیا میں تناسخ کا چکر نہیں چلتا - ہمیں تو اس ٹھوس تاریخی مثال سے عملی سبق حاصل کرنا ہے -

---

© rasailojaraid.com